تفسیر مظہر القرآن
تعارف و تبصرہ......ایک اجمالی مطالعہ

ڈاکٹر محمد شکیل اوج (ڈی لٹ)
پروفیسر، اسلامک لرننگ، ڈین، فیکلٹی آف اسلامک اسٹڈیز، جامعہ کراچی
ڈائریکٹر، سیرت چیئر، جامعہ کراچی

ABSTRACT

Tafseer Mazharul Quran published in 2007; is a translation with commentary margin. Mufti Mazhar Ullah Dehlvi's name is mentioned on it as a translator and commentator. This tafsir is published in two volumes. It is claimed in this tafsir that this translation with commentary margin was published first time in 1947. But the translator/commentator's name was not mentioned on that tafsir / translation. As the translator / commentator was anonymous, however in 2007 that anonymous commentator is somehow, revealed. In the beginning of this tafsir it is claimed that Shah Wali Ullah's translation "Fateh-ur- Rahman" is transformed into Urdu, but the margin is written by the commentator. Though, in the view of this writer, it is not true, rather in fact, it is a new version of different translations, especially derived from the translation of Ahmed Raza Barelvi. But only God knows why it is known as the translation of Shah Wali Ullah's

Persian translation of Quran? In this article the author has tried to identify how the original translation is different from this Urdu version, by mentioning several samples of translations. Moreover, this translation is deficient with two types of approaches. One is the obsolete words of Urdu like aavay, jaaway, and another is general use of scholarly language. This method also damages the authenticity of Mazhar-ul-Quran.

تفسیر مظہر القرآن میرے پیش نظر ہے۔ جو مولانا مفتی محمد مظہر اللہ دہلویؒ (متوفی ۱۹۶۶ء) شاہی امام وخطیب جامع مسجد فتحپوری دہلی، کے نام کے ساتھ پہلی بار شائع ہوئی ہے۔ قبل ازیں یہ ترجمہ اور تفسیر حواشی ۱۹۳۱ء میں شائع ہو چکے ہیں۔ جس پر کسی مترجم ومحشی کا نام درج نہیں تھا۔ اس لئے ظاہر ہے کہ اس ترجمہ کا کوئی عنوان بھی نہیں تھا۔ اس بے نام یا گمنام مترجم ومحشی کا ۱۹۶۸ء میں پہلی بار پروفیسر ڈاکٹر محمد مسعود احمدؒ کو پتا چلا۔ جس کی تفصیل تفسیر مظہر القرآن کی دوسری جلد کے آخر میں اختتامیہ کے زیر عنوان دے دی گئی ہے۔ دراصل یہ بے نام مترجم ڈاکٹر محمد مسعود احمدؒ کے والد ماجد ہیں اور یہ ترجمہ برائے نقد ونظر مجھے ڈاکٹر صاحب نے ہی بھجوایا تھا۔ یہ ترجمہ اور اس کے حواشی مبینہ طور پر روزانہ دو گھنٹے سے کچھ زائد وقت میں املا کرائے گئے تھے جسے سید محمد شفیع لکھتے تھے۔ اس طرح دس گیارہ ماہ کے عرصے میں یہ کام سر انجام پایا تھا۔

تفسیر مظہر القرآن دو جلدوں میں شائع کی گئی ہے۔ جس کے بارے میں دعویٰ کیا گیا ہے کہ اس کا ترجمہ دراصل شاہ ولی اللہ دہلویؒ (متوفی ۱۷۶۲ء) کے فارسی ترجمہ کا اردو میں ترجمہ ہے۔ البتہ تفسیری حواشی مولانا مظہر اللہ کے اپنے ہیں۔ (دیکھئے عنوان: عرض ناشر، صفحہ: ۵، اور اختتامیہ، صفحہ: ۱۶۳۵)

شاہ ولی اللہ کے فارسی ترجمے کو برصغیر پاک وہند میں اولیت کا شرف حاصل ہے۔ جو ''فتح الرحمٰن'' کے عنوان سے ۱۷۳۸ء میں پہلی بار منظر عام پر آیا تھا۔ اور حسن اتفاق سے اردو ترجمے کی اولیت کا سہرا بھی شاہ صاحب کے صاحبزادگان کے حصے میں ہی آیا۔ پھر انہی چراغوں سے دوسرے چراغ روشن ہوئے۔

تفسیر مظہر القرآن کی پہلی جلد سولہ پاروں پر مشتمل ہے اور ۹۵۸ صفحات پر پھیلی ہوئی ہے۔ ابتداء میں قرآن مجید کی سورتوں کی مکمل فہرست دے دی گئی ہے۔ ''عرض ناشر'' کے عنوان سے محمد حنیظ البرکات شاہ نے ایک صفحہ تحریر کیا ہے۔ جس میں بتایا گیا ہے کہ یہ ترجمہ شاہ ولی اللہ کے فارسی ترجمے کا ترجمہ ہے۔ پھر ''تاریخ نزول، کتابت واشاعت قرآن حکیم'' کے زیر عنوان ایک نہایت پر مغز مقالہ پروفیسر ڈاکٹر محمد مسعود احمد کا ہے۔ جو کل اڑتیس صفحات (صفحہ: ۵ سے صفحہ: ۴۳ تک) پر مشتمل ہے۔ صفحہ نمبر ۴۴ سے صفحہ نمبر ۴۷ تک ''آداب تلاوت قرآن مجید''، ''قرآن مجید کتنے دنوں میں ختم کرنا چاہیے''، ''رموز واوقاف قرآن مجید'' کے عنوانات کے تحت

اجمالی انتصار کے ساتھ کچھ ضروری باتوں کو لکھا گیا ہے۔ مگر یہ سب کس نے لکھا، کچھ پتا نہیں۔ البتہ صفحہ ۵۴۴ پر اردوئے قدیم کی ایک معروف علامت "آوے جاوے" کے ساتھ جملے لکھے گئے ہیں۔ مثلاً "قرآن شریف پڑھو اور گریہ کرو اگر نہ آوے تو بہ تکلف گریہ کرو۔۔۔"؛ "اگر رونا نہ آوے تو نہ آئے پر روئے اور اگر اس پر نہ آوے تو رونے کی صورت بناوے۔۔۔"؛ "اللہ اکبر جہر سے کہتا ہوا سر اٹھائے اور کھڑا ہووے۔۔۔" اس اسلوب زبان کو دیکھ کر بظاہر یہ گمان ہوتا ہے کہ غالباً یہ مولانا مظہر اللہ کا املا کرایا ہوا ہوگا۔ کیونکہ سورۂ واقعہ میں آیت نمبر ۱۷، ۱۸ اور ۲۶ میں کچھ ایسا ہی اسلوب ملتا ہے۔ ملاحظہ کیجئے (لڑکے) چیزیں لے کر آویں جاویں گے۔ آبخورے اور آفتابے اور ایسا جام شراب جو بہتی شراب سے بھرا جاوے گا۔ (واقعہ: ۱۷، ۱۸)

بس ہر طرف سے سلام ہی سلام کی آواز آوے گی۔ (واقعہ: ۲۶)

سورۂ انبیاء کے ترجمے سے بھی کچھ ایسی ہی مثالیں پیش کی جاتی ہیں:

پھر کیا یہ لوگ ایمان لے آویں گے۔ (الانبیاء: ۶)

اس لئے کہ وہ راہ پاویں۔ (الانبیاء: ۳۱)

اور نہ ان کو مہلت دی جاوے گی۔ (الانبیاء: ۴۰)

پس کیا یہ لوگ غالب آویں گے۔ (الانبیاء: ۴۴)

پس کسی پر کچھ ظلم نہ کیا جاوے گا۔ (الانبیاء: ۴۷)

وہ (دنیا میں) پھر لوٹ آویں۔ (الانبیاء: ۹۵)

دور رکھے جاویں گے۔ (الانبیاء: ۱۰۱)

ویسے بالعموم ترجمے کی زبان ایسی نہیں ہے جیسی اوپر لکھی گئی ہے۔ گاہےگاہے اسلوب کی اس اچانک تبدیلی پر راقم کو بھی تعجب ہے۔ کیونکہ اس طرح کسی اسلوب کا ٹوٹ جانا تحقیق کا متقاضی ہے۔ البتہ رموز اوقاف قرآن مجید کو جس طرح دو قرآنی مثالوں سے سمجھایا گیا ہے، وہ بہت عمدہ ہے اور اس لائق ہے کہ اسے بلاکم وکاست نقل کیا جائے۔ ملاحظہ کیجئے:

> "زبان عرب میں جہاں جملہ تمام ہو جائے وہاں ٹھہر جائے یعنی آواز مع سانس کے توڑ دینے کو وقف کہتے ہیں اور کم وبیش ہر ایک زبان میں ایسا ہی ہوتا ہے۔ کیونکہ اگر جملہ پر وقف نہ کیا جائے اور اس کو اگلے جملہ سے ملا دیا جائے تو بسا اوقات معنی میں فرق آجاتا ہے۔ جیسا کہ "ولا یحزنک قولھم" ط ان العزۃ للہ جمیعا میں قولھم پر وقف نہ کرنے سے معنی یہ ہو جائیں گے "اے پیغمبر ان کی یہ بات کہ سب عزت خدا کیلئے ہے، آپ کو غمگین نہ کرے" یہ امر تو ظاہر ہے کہ حضور ایسی بات سے جو توحید خالص اور مطمح نظر ہو کیسے ناراض ہو سکتے تھے۔ اور جب وقف کر دیا تو یہ معنی ہوں گے "اے پیغمبر ان کی بات (تکذیب رسالت وانکار حشر) سے آپ رنج نہ کیجئے۔ کیونکہ سب عزت اللہ ہی کیلئے ہے۔ ان کے انکار سے کیا ہوتا ہے اور مقصود بھی معنی آخری ہی ہیں۔ اسی طرح آیت: ولقد ھمت بہ ج وھم بھا لولا ان

وابرھان ربہ میں اگر ھم بھا پر وقف کردیا جائے اور لولا ان را ... الخ ... کو الگ کردیا جائے تو معنی بگڑ جائیں گے۔ اس لئے کہ اس صورت میں یہ معنی ہو جائیں گے کہ "زلیخا یوسف پر اور یوسف زلیخا پر قصد کر چکے تھے" حالانکہ یہ معنی بالکل غلط ہیں بلکہ وھم بھا (۱) کی جز امقدم ہے" (صفحہ نمبر ۴۷)

مذکورہ عبارت کی شان اپنی جگہ مگر آپ دیکھ سکتے ہیں کہ اس اقتباس میں کہیں بھی آوے جاوے جیسے الفاظ نہیں لائے گئے ہیں۔ کسی ایک کتاب میں دو طرح کے اسلوب مصنف کے لیے سوالیہ نشان بن جاتے ہیں کیونکہ کوئی بھی اوریجنل (Origional) مصنف اپنے اسلوب بیان سے ہی پہچانا جاتا ہے۔

تفسیر مظہر القرآن کا آغاز صفحہ نمبر ۴۹ سے ہوتا ہے۔ تفسیر کے صفحات کو بالالتزام تین حصوں میں تقسیم کیا گیا ہے۔ اوپری حصہ قرآنی متن پر مشتمل ہے۔ درمیانی حصے میں ترجمہ لکھا گیا ہے۔ اور آخری حصہ تفسیری حواشی پر مبنی ہے۔ کمپوزنگ کی زبان میں قرآنی متن ۲۴ فونٹ سائز کا ترجمہ ۱۸ فونٹ کا اور حاشیہ ۱۴ فونٹ کا لگتا ہے۔

جلد دوم سورۃ الانبیاء سے شروع ہوتی ہے جو کل ۸۸۸ صفحات پر (صفحہ نمبر ۹۵۹ تا صفحہ نمبر ۱۸۴۷ تک) مشتمل ہے۔ تفسیر مظہر القرآن صفحہ نمبر ۱۹۱۳ پر مکمل ہو گئی ہے۔ باقی صفحات پر جو کچھ لکھا گیا ہے اس کی تفصیل یہ ہے: "قرآن حکیم اغیار کی نظر میں" کے زیر عنوان پروفیسر ڈاکٹر محمد مسعود احمد کے فرزند محمد مسرور احمد کا پانچ صفحات پر مشتمل ایک باحوالہ مضمون درج ہے۔ پھر "مختصر سوانح عمری رسول کریم ﷺ" کے عنوان سے ۱۸ صفحات پر مشتمل اردو زبان میں ایک مضمون شاہ ولی اللہؒ کے نام سے شامل کیا گیا ہے۔ جس کے مترجم کا نام درج نہیں ہے۔ پھر دو صفحوں ۱۹۳۸، ۱۹۳۹ پر "تعارف حضرت شاہ ولی اللہ محدث دہلویؒ کے زیر عنوان ایک مختصر مضمون درج ہے۔ اس کے محرر کا نام بھی درج نہیں ہے۔ صفحہ ۱۹۴۰ سے ۱۹۴۴ تک (کل چار صفحات) مترجم ومحشی کا تعارف بایں عنوان پیش کیا گیا ہے:

"شیخ الاسلام حضرت مفتی اعظم ہند شاہ محمد شاہ مظہر اللہ دہلوی علیہ الرحمۃ"

یہ مضمون جاوید اقبال مظہری بانی امام ربانی فاؤنڈیشن انٹرنیشنل، کراچی کے نام سے شائع ہوا ہے۔ اس مضمون کی ایک خاص بات یہ بھی ہے کہ اس میں پروفیسر ڈاکٹر محمد مسعود احمد کو ان کی زندگی میں "مجدد ملۃ حاضرۃ" کے لقب سے ملقب کیا گیا ہے۔ صفحہ نمبر ۱۹۴۵ پر "اختتامیہ" کے زیر عنوان پروفیسر ڈاکٹر محمد مسعود احمد کی تحریر ہے۔ جو تین صفحات پر مشتمل ہے۔ اختتامیہ کے آخر میں یہ نوٹ تحریر ہے کہ "اختتامیہ کو ۱۹۹۹ء میں لکھا گیا مگر تفسیر مظہر القرآن کی اشاعت ۲۰۰۷ء میں ممکن ہو سکی۔

تفسیر مظہر القرآن ڈاکٹر محمد مسعود احمد کے زیر اہتمام شائع ہوئی ہے اس کے ناشر محمد حفیظ البرکات شاہ ہیں۔ جنہوں نے ضیاء القرآن پبلی کیشنز، داتا دربار روڈ، لاہور کی طرف سے اسے بہت عمدہ اور دیدہ زیب سفید کاغذ پر شائع کیا ہے۔ تاریخ اشاعت اگست ۲۰۰۷ء اور تعداد ایک ہزار درج کی گئی ہے۔ اس ضروری تعارف کے بعد ترجمہ وتفسیر کی بابت کچھ معروضات (ابتدائی تبصرہ کے طور پر) پیش خدمت ہیں۔

شاہ ولی اللہ نے قرآن مجید کا فارسی میں ترجمہ کیا ہے۔ اور مولانا مفتی محمد مظہر اللہ نے مبینہ طور پر اس ترجمے کا اردو میں ترجمہ کیا ہے نہ کہ قرآن کریم کا جو بلسان عربی مبین ہے۔ اس لئے تحقیقی اصول کی روشنی میں ضروری تھا کہ اسے قرآنی متن کے ساتھ شاہ ولی اللہ کے ترجمے کے ذیل میں شائع کیا جاتا تا کہ قارئین کرام دونوں تراجم سے بیک وقت مستفید ہو پاتے۔ اس طرح اردو ترجمے

کی صحت واصابت نیز مترجم کی فارسی دانی کا بھی کما حقہ اندازہ ہو جاتا۔

اس طرح کا نقد تیرہ چودہ سال قبل راقم نے قبلہ پروفیسر شاہ فرید الحق ؒ (سابق مرکزی رہنما جمعیت علمائے پاکستان) سے ان کے انگریزی ترجمے پر بھی کیا تھا۔ جسے انہوں نے پسند فرمایا تھا۔ شاہ صاحب نے مولانا احمد رضا خاں بریلویؒ کے اردو ترجمے کنز الایمان کا انگریزی میں ترجمہ کیا ہے۔ وہ ترجمہ قرآنی متن کے ساتھ شائع کیا گیا ہے۔ اصولی طور پر اسے کنز الایمان کے ساتھ شائع ہونا چاہئے تھا۔ کیونکہ وہ قرآن مجید کا براہ راست ترجمہ نہیں ہے بلکہ ایک اردو ترجمے کا انگریزی میں ترجمہ ہے۔

دراصل قرآن مجید کا براہ راست کسی بھی زبان میں ترجمہ کرنا بہت مشکل کام ہے۔ اس کام کیلئے مترجم کو نہ صرف عربی زبان میں مہارت چاہیے بلکہ اسے مطلوبہ علوم کے ساتھ ساتھ قرآنی ذوق کا حامل بھی ہونا چاہئے۔ تب جاکے کہیں یہ ہفت خوان رستم طے ہوتا ہے۔ شائد اسی لئے بعض حضرات نے قرآن مجید کو ٹرانسلیٹ کرنے کا دعویٰ نہیں کیا بلکہ پہلے سے موجود کسی ترجمے کو یا کئی تراجم کو اپنے تراجم کی بنیاد قرار دیا ہے۔ مولانا مظہر اللہؒ کا ترجمہ بھی (دعویٰ کی حد تک) اسی ذیل میں محسوب ہوگا۔ جہاں تک مظہر القرآن کے ترجمہ کا تعلق ہے اسے شاہ ولی اللہؒ کا ترجمہ قرار دینا صحیح نہیں ہے۔ شاہ صاحبؒ اور مظہر اللہؒ کے تراجم میں کہیں کہیں کوئی معنوی اشتراک اور مناسبت ضرور پائی جاتی ہے مگر ایسی مناسبت تو کسی بھی ایک ترجمہ کی دوسرے ترجمہ کے ساتھ ہوسکتی ہے۔ کیا ایسی کسی اتفاقیہ مناسبت کی بنیاد پر اسے شاہ ولی اللہؒ کے ترجمہ کا ترجمہ قرار دینا ممکن ہے؟ کم از کم از روئے تحقیق تو ایسا دعویٰ ناممکن ہے۔ بالخصوص ایسی صورت حال میں کہ جب بعض آیات کے تراجم میں ان ہر دو بزرگوں کے ہاں خاصا معنوی تضاد بھی پایا جاتا ہو۔ ذیل میں ہم اپنے دعویٰ کے ثبوت میں کچھ دلائل پیش کرتے ہیں:

۱) یوم یقوم الروح..... (النباء:۳۸) کے ذیل میں شاہ ولی اللہؒ نے لکھا ہے:

"روزیکہ بایستد فرشتہ روح نام وسائر فرشتگان"

یعنی اس روز روح نامی فرشتہ اور سارے فرشتے کھڑے ہوں گے۔ اس ترجمے میں الروح سے مراد شاہ صاحب کے نزدیک کوئی ایسا فرشتہ ہے جس کا نام الروح ہے۔ جبکہ مولانا مظہر اللہؒ کے ہاں ترجمہ میں روح سے مراد جبرئیل امین ہیں۔ ان کا ترجمہ یہ ہے:

"جس دن جبرئیل فرشتہ کھڑا ہوگا اور سب فرشتے"

کیا کوئی کہہ سکتا ہے کہ یہاں شاہ صاحبؒ کے ترجمے کو اردو میں ڈھالا گیا ہے۔

۲) لا اقسم بھذا البلدo و انت حل بھذا البلدo (البلد: ۱،۲)

شاہ صاحبؒ نے اس آیت کا ترجمہ بایں الفاظ کیا ہے:

"قسم میخورم بایں شہر یعنی کہ مبارک وتو حلال شدہ بایں شہر"

اور اس کے حاشیے میں لکھا ہے: "یعنی ترا قتل ورکہ حلال خواہد شد"

شاہ صاحبؒ نے حل کا ترجمہ حلال کرنے سے لیا ہے۔ مطلب یہ کہ اے رسول ترے قتل کو اس شہر میں حلال یعنی جائز

کردیا گیا ہے۔حل کے دراصل متعدد معانی ہیں۔ایک حرام کے مقابل آتا ہے اور دوسرا احرم کے مقابل۔شاہ صاحبؒ نے وہ معنی لیا ہے جو حرم کے مقابل آتا ہے۔خود کفار مکہ کے اعتقاد کی رو سے بھی حدود حرم میں کسی کی جان کے درپے ہونا ہرگز روا نہ تھا مگر مولانا مظہر اللہؒ نے اسے بایں الفاظ اُسلوب کیا ہے:

''مجھے اس (مکہ مکرمہ) کی قسم کہ (اے محبوب ﷺ) تم اس شہر میں تشریف فرما ہو''

کہاں قتال کرنے کے لیے حلال سمجھنا؟ اور کہاں تشریف فرما ہونا؟ اب آپ خود بتایئے، کیا یہ شاہ ولی اللہ کا ترجمہ ہے؟

۳) الم نجعل له عينين ٥ ولسانا وشفتين ٥ وهدينه النجدين ٥ (البلد:۸تا۱۰)

شاہ صاحبؒ فرماتے ہیں: ''آیا نیافریدہ ایم برائے او دو چشم را و زبان او دو لب و دلالت کردیم او را بر دو راہ'' اور وهدينه النجدين کے حاشیے میں لکھتے ہیں: یعنی خیر وشر۔

اور اب مولانا مظہر اللہؒ کا ترجمہ دیکھئے: اور اسے ہم نے دو ابھری ہوئی چیزوں کی راہ بتائی (یعنی جب وہ پیدا ہوا تو دودھ پینے کیلئے دونوں پستان کا راستہ بتادیا۔آپ خود انصاف کیجئے۔کیا یہ شاہ صاحبؒ کا ترجمہ ہے؟ یعنی کہاں خیر وشر اور کہاں دو پستان؟

۴) ووجدک ضالاً فهدی۔ (الضحیٰ:۷)

ویافت ترا راہ گم کردہ پس راہ نمود'' (شاہ صاحبؒ)

یعنی اور تجھے راہ کھویا ہوا پایا تو رستہ دکھایا۔

اب مولانا مظہر اللہؒ کا ترجمہ دیکھئے: ''اس نے تم کو اپنی محبت میں خود رفتہ پایا تو اپنی طرف راہ دی''۔کیا اسے فارسی ترجمے کا عکس قرار دیا جا سکتا ہے؟

۵) انا اعطیناک الکوثر۔ (الکوثر:۱)

''یا محمد ہر آئینہ ما عطا کردیم ترا کوثر'' (شاہ صاحبؒ) اور اس کے حاشیے میں لکھا ہے: ''کوثر نام حوضے است کہ در آخرت خواہد بود، امت آنحضرت ﷺ از اں خواہند آشامید'' مطلب یہ کہ اے محمد! ہم نے آپ کو کوثر عطا کی، یہ ایک حوض کا نام ہے، جو آخرت میں ہوگی۔اور آنحضرت ﷺ کی امت اس سے اپنی پیاس بجھائے گی۔

اب اس کا وہ ترجمہ دیکھئے جو مولانا مظہر اللہؒ نے کیا ہے:

''اے محبوب بیشک ہم نے تمہیں کوثر (یعنی ہر خوبی کی کثرت) عطا فرمائی''

کوثر کے معنی کا فرق دونوں تراجم سے بخوبی ظاہر ہے۔

۷) اسی طرح قرآنی لفظ ''شاہدا'' (الاحقاف:۸) کا ترجمہ شاہ صاحبؒ نے ''اظہار حق کنندہ'' سے کیا ہے۔یعنی حق کو ظاہر کرنے والا۔مگر مولانا مظہر اللہؒ کے ترجمے میں اسے ''گواہ'' کے لفظ سے تعبیر کیا گیا ہے۔ظاہر ہے کہ یہاں بھی شاہ صاحبؒ کے ترجمے کی کامل پیروی نہیں کی گئی ہے۔

یہ فقط چند مثالیں ہیں۔باقی آیات کو انہی مثالوں پر قیاس کر لیجئے۔اب سوال پیدا ہوتا ہے کہ مولانا مفتی مظہر اللہؒ نے جب (مبینہ دعویٰ کے باوجود) شاہ صاحب کی پیروی نہیں کی ہے تو آخر کس کی پیروی کی ہے؟ اس سلسلے میں راقم کا خیال ہے کہ انہوں نے مولانا احمد رضا خاں بریلویؒ کے ترجمۂ قرآن "کنز الایمان" اور اس پر مولانا سید محمد نعیم الدین مراد آبادیؒ کے حاشیہ "خزائن العرفان" کی (بغیر حوالہ دیئے) خصوصیت کے ساتھ پیروی کی ہے۔راقم کے اس دعویٰ کے ثبوت میں مذکورہ بالا مثالوں کو مولانا احمد رضا خاں بریلویؒ کے ہاں دیکھا جاسکتا ہے۔مثلاً سورۂ بلد سے ماخوذ مثال کا ترجمہ دیکھئے:

"مجھے اس شہر کی قسم کہ اے محبوب تم اس شہر میں تشریف فرما ہو" (مولانا بریلویؒ)

"مجھے اس (مکہ مکرمہ) کی قسم کہ (اے محبوب ﷺ) تم اس شہر میں تشریف فرما ہو" (مولانا مظہر اللہؒ)

اب سورۂ بلد سے ماخوذ دوسری مثال کا ترجمہ دیکھئے:

"کیا ہم نے اس کی دو آنکھیں نہ بنائیں اور زبان اور دو ہونٹ اور اس کو دو ابھری ہوئی چیزوں کی راہ بتائی" (مولانا بریلویؒ)

"کیا ہم نے اس کی دو آنکھیں نہ بنائیں؟ اور زبان اور دو ہونٹ اور اسے ہم نے دو ابھری ہوئی چیزوں کی راہ بتائی (یعنی جب وہ پیدا ہوا تو دودھ پینے کیلئے دونوں پستانوں کا راستہ بتادیا)" (مولانا مظہر اللہؒ)

سورۂ الضحیٰ سے ماخوذ مثال کا ترجمہ دیکھئے:

"اور تمہیں اپنی محبت میں خود رفتہ پایا تو اپنی طرف راہ دی" (مولانا بریلویؒ)

"اس نے تم کو اپنی محبت میں خود رفتہ پایا تو اپنی طرف راہ دی" (مولانا مظہر اللہؒ)

سورۂ عصر سے ماخوذ مثال کا ترجمہ دیکھئے:

"اس زمانۂ محبوب کی قسم" (مولانا بریلویؒ)

"قسم (اس) زمانہ (محبوب) کی" (مولانا مظہر اللہؒ)

اور اب سورۂ کوثر سے ماخوذ مثال کا ترجمہ بھی دیکھ لیجئے۔

اے محبوب! بیشک ہم نے تمہیں بے شمار خوبیاں عطا فرمائیں" (مولانا بریلویؒ)

"اے محبوب! بیشک ہم نے تمہیں کوثر (یعنی ہر خوبی کی کثرت) عطا فرمائی" (مولانا مظہر اللہؒ)

غالباً الفاظ کی مماثلت کے تاثر کو رفع کرنے کیلئے مترجم نے ضروری سمجھا کہ کہیں آوے جاوے کی زبان بھی استعمال کرلی جائے تاکہ قاری کا ذہن مولانا بریلویؒ کے ترجمے کی طرف مکمل طور پر منتقل نہ ہوسکے۔مزید برآں مولانا بریلویؒ کے ترجمہ کے اثرات ذیل کی آیات میں بھی دیکھے جاسکتے ہیں۔ملاحظہ کیجئے:

۱) "رحمٰن نے اپنے محبوب کو قرآن سکھایا۔انسانیت کی جان محمد کو پیدا کیا۔ماکان وما یکون کا بیان انہیں سکھایا" (سورۂ رحمٰن:۱تا۴) (مولانا بریلویؒ)

''رحمٰن نے (اپنے محبوب) کو قرآن سکھایا۔ انسان (یعنی انسانیت جان محمد ﷺ) کو پیدا کیا (ما کان وما یکون کا) بیان انہیں سکھایا'' (مولانا مظہر اللہؒ)

جبکہ شاہ ولی اللہؒ کا ترجمہ ان الفاظ میں ہے:

''رحمٰن آموخت قرآن را آفرید آدمی را آموختش سخن گفتن'' یعنی رحمٰن نے قرآن سکھایا، انسان کو پیدا کیا، اسے گفتگو کا ڈھنگ سکھایا۔

۲) ''وہی ہے جس نے آسمان اور زمین چھ دن میں پیدا کیے۔ پھر عرش پر استویٰ فرمایا۔ جیسا کہ اس کی شان کے لائق ہے'' (الحدید: ۴) (مولانا بریلویؒ)

''وہی ہے جس نے آسمانوں اور زمین کو چھ دن میں پیدا کیا۔ پھر عرش پر جلوہ فرما ہوا (جیسا اس کی شان کے لائق ہے'') مولانا مظہر اللہؒ)

''اوست آں کہ آفرید آسمان باو زمین را در شش روز باز مستقر شد بر عرش'' (شاہ ولی اللہؒ)

جیسا کہ اس کی شان کے لائق ہے کہ اضافی کلمات شاہ صاحب کے ہاں نہیں ہیں۔ آپ خود فیصلہ کیجئے کہ مولانا مظہر اللہؒ کا ترجمہ بریلوی کے زیر اثر ہے یا شاہ صاحبؒ کے؟

۳) قرآنی تراجم میں اے محبوب! کا استعمال غالباً مولانا بریلویؒ سے شروع ہوا ہے، جو آگے چل کر بریلوی مکتب فکر کی پہچان بن گیا۔ پیر کرم شاہ الازہری، مولانا احمد سعید کاظمی، پروفیسر ڈاکٹر محمد طاہر القادری کے تراجم اسی پہچان کو اپنے اندر سموئے ہوئے ہیں۔ مولانا مظہر اللہؒ کے ہاں اس لقب کا استعمال نہ صرف ان کے بریلوی المکتب ہونے کی غمازی کر رہا ہے بلکہ مولانا بریلویؒ کے ترجمے کے اثر کو بھی ظاہر کر رہا ہے۔

۴) بیشک یہ عزت والا قرآن ہے۔ محفوظ نوشتے میں اسے نہ چھوئیں مگر باوضو'' (الواقعہ: ۷۹ مولانا بریلوی)

''بیشک یہ عزت والا قرآن ہے، جو ایک پوشیدہ کتاب (یعنی لوح محفوظ) میں لکھا ہوا ہے کہ اس کو سوائے پاک (یعنی وضو) لوگوں کے کوئی ہاتھ نہیں لگاتا'' (مولانا مظہر اللہؒ)

''ہر آئینہ ایں کتاب قرآنے است گرامی قدر نوشتہ است در کتاب پوشیدہ کہ دست نمی رساند باں مگر پاک کردگاں'' (شاہ ولی اللہؒ) اور حاشیے میں ہے: یعنی در لوح محفوظ۔

شاہ ولی اللہؒ نے اپنے ترجمے میں قرآن چھونے کے لیے پاکی کو شرط قرار دیا ہے اور ان کے حاشیے کے مطابق اس کا اطلاق فرشتوں پر کیا جا سکتا ہے۔

جبکہ مولانا مظہر اللہؒ نے مولانا بریلویؒ کے زیر اثر پاکی پر باوضو ہونے کا اضافہ کر دیا ہے جس کا اطلاق ملائکہ پر نہیں ہو سکتا۔ اس طرح کی مماثلتوں کے بعد کیا کوئی محقق اسے شاہ صاحبؒ کے ترجمے کا ترجمہ قرار دے سکتا ہے؟

شاہ صاحبؒ کے ترجمے کی وہ خوبی جو بادی النظر میں بھی دیکھی جا سکتی ہے۔وہ یہ ہے کہ انہوں نے پورے ترجمے میں کہیں بھی قوسین (بریکٹس) کا استعمال نہیں کیا ہے۔تاہم توضیح مطلب کے لیے کہیں کہیں نہایت مختصر حاشیہ ضرور لکھ دیا ہے۔اگر ان کے تمام حواشی یکجا کر دیے جائیں تو شائد فل اسکیپ سائز کے چار صفحات سے زائد نہ ہوں۔شاہ صاحبؒ کے ترجمے کی شانِ بلاغت اُن کے مختصر تر، جامع الفاظ میں ہیرے کی طرح جگمگاتی نظر آتی ہے۔

شاہ ولی اللہؒ کے ترجمے کا ترجمہ اگر اسی اسلوب میں ہوتا تو زیادہ بہتر ہوتا۔یعنی ترجمے کے ذیل میں صرف ترجمہ ہوتا اور حاشیے کے مقام پر صرف حاشیہ۔اس طرح مولانا مظہر اللہؒ کا ترجمہ کم از کم فارسی ترجمے کے اسلوبِ ظاہری کے تو عین مطابق ہوتا۔

جیسا کہ اوپر عرض کیا گیا ہے مولانا مظہر اللہؒ نے مولانا بریلویؒ کے ترجمے اور مولانا نعیم الدین مراد آبادیؒ کے حاشیہ کو پیش نظر رکھا ہے۔اوپر راقم نے مولانا بریلویؒ کے ترجمے سے متعدد مثالیں پیش کر دی ہیں۔اب ذیل میں مولانا نعیم الدین مراد آبادیؒ کے حاشیہ سے بھی ایک مثال ملاحظہ کیجیے:

سنقرئک فلا تنسیٰ الا ماشاء اللّٰہ۔ (الاعلیٰ: ۶،۷)

اے محبوب ﷺ اب ہم تمہیں قرآن پڑھائیں گے پس تم نہ بھولو گے۔(مولانا مظہر اللہ) اس ترجمہ کے حاشیے میں فرماتے ہیں: "مفسرین نے فرمایا کہ یہ استثناء واقع نہ ہوا اور اللہ نے نہ چاہا کہ آپ کچھ بھولیں۔ (خازن) بالکل انہی الفاظ میں (بغیر کسی تقدیم وتاخیر لفظی کے) آپ یہ حاشیہ مولانا نعیم الدین مراد آبادیؒ کے ہاں دیکھ سکتے ہیں۔جبکہ یہ حاشیہ شاہ ولی اللہؒ کے حاشیے کے بالکل برعکس ہے۔

شاہ صاحبؒ کا حاشیہ ملاحظہ کیجیے:

مترجم گوید فراموش گردانیدن این آیت از خاطر مبارک آن حضرت ﷺ نوعی از نسخ است" یعنی شاہ صاحبؒ اس استثناء کو نسخ کی صورت میں واقع مان رہے ہیں جبکہ مولانا مظہر اللہؒ کے بقول یہ استثناء واقع نہیں ہوا۔اس جگہ مولانا مظہر اللہؒ مولانا نعیم الدین مراد آبادیؒ کی پیروی میں ہیں نہ کہ شاہ ولی اللہؒ کی۔مضمون میں اختصار کو پیش نظر رکھنا مقصود نہ ہوتا تو ہم ایسی متعدد مثالیں مزید پیش کرتے۔سر دست اسی ایک مثال پر اکتفا کرتے ہیں۔

ترجمے کے ذیل میں مولانا مظہر اللہؒ کا جو حاشیہ درج ہے اس کے بارے میں صرف ایک حوالہ دینا چاہوں گا۔سورۂ فجر کی تفسیر میں "ایصال ثواب کی ترغیب اور حکمت" کے زیر عنوان اٹھارہ سطریں لکھی گئی ہیں۔جس کے آخر میں شاہ عبدالحق حقانی کی تفسیر حقانی کا حوالہ دیا گیا ہے۔جن آیات کے تحت یہ سطر لکھی گئی ہیں اس مقام پر تفسیر حقانی میں ہمیں ایسا کچھ نہیں ملا۔اس غلط حوالے نے مولانا مظہر اللہؒ کے دیگر حوالوں کو بھی مشکوک کر دیا ہے۔حاشیے کے باب میں اب مزید کچھ کہنے کی ضرورت نہیں۔

از روئے تحقیق کسی بے نام ترجمے کا کسی مترجم کے نام کے بغیر چھپنا اصلاً ایک غیر ذمہ دارانہ بلکہ مشکوک طرزِ عمل قرار پاتا ہے۔اس طرح کا ترجمہ بالعموم مترجم کے عدم اعتماد کو ظاہر کرتا ہے نیز اسے مترجم کا اپنے ہم عصروں میں کسی تضحیک یا تعجب کا نشانہ بننے کے خوف پر بھی محمول کیا جاتا ہے۔علاوہ ازیں اسے کسی علمی اور اعتقادی بددیانتی کے مشن کا حصہ بھی قرار دیا جا سکتا ہے۔

بے نام مترجم کے بے عنوان ترجمے کی پہلی اشاعت کے چھیاسٹھ (۶۶) سال بعد اسے ایک باقاعدہ عنوان اور مترجم کے نام کے ساتھ شائع کرنا کئی سوالات کو جنم دیتا ہے۔

۱۔ مبینہ مترجم کی علمی صلاحیت بالخصوص قرآن فہمی اور عربی دانی کتنی استعداد کی حامل ہے؟

۲۔ مبینہ مترجم کے دیگر علمی کاموں کا پایہ کیا ہے؟ نیز مترجم نے جب بعض رسائل کو اپنے نام سے چھپوانا پسند کیا تو آخر وہ کون سا عذر تھا کہ جس نے اتنے بڑے کام کو پردہ خمول میں رکھنے پر مجبور کیا؟

۳۔ ۱۹۷۱ء میں جب پہلی بار یہ ترجمہ و حاشیہ بغیر نام کے شائع ہو چکا تو اب اسے مترجم و محشی کے نام کے ساتھ شائع کرنا کیوں ضروری ٹھہرا؟

ان سوالوں کے جوابات اپنی جگہ بہر حال اس ترجمہ و حاشیہ کو مترجم و محشی کا کوئی قابل ذکر کارنامہ قرار دینا خاصا مشکل کام ہے۔